تانیثی تنقید: نصف آبادی کے ادبی مطالبات

ڈاکٹر نصرت جبین،

شعبۂ اُردو مرکزی جامعہ کشمیر، گاندربل۔۱۹۱۲۰۱

تلخیص: تانیثیت بیسویں کے مختلف تنقیدی اور ادبی نظریات کے درمیان ایک اہم نظریہ واقع ہوا ہے۔تانیثی تنقید نے نہ صرف خواتین قلم کاروں کے حوصلے کو مہمیز کیا ہے بلکہ ادب شناسی کے ضمن میں ایک نیا طور بھی سامنے لایا ہے۔زیر نظر مقالے میں تانیثی تنقید کے تناظر میں اُردو زبان اور اس کے شعری منظر نامے سے بھی عملی تنقید کی مثالیں پیش کی گئیں۔خواتین کے ساتھ سماجی، اقتصادی اور سیاسی سطح پر ہی امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جاتا بلکہ لسانی سطح پر بھی اُن کے ساتھ بھید بھاؤ کو راہ دی گئی۔اُردو زبان کی لسانی تاریخ اس بات کی غماز ہے کہ اس میں بھی طبقۂ اُناث کے تئیں غیر ذمہ دارانہ رویہ اپنایا گیا ہے جس پر بحث و تمحیص قائم کرنے کی ضرورت ہے۔اس طرح یہ مقالہ اپنی سرشت میں تانیثی تنقید پر ایک اطلاقی نوعیت کی تحریر ہے جس میں اشعار کے حوالے سے اُن کے انسلاک کو سمجھانے کی سعی کی گئی ہے۔اس مقالے میں اُردو کے معتبر و معروف شعرا میر تقی میر، مرزا غالب، امام بخش ناسخ، احمد فراز، حبیب جالب، فرید پربتی وغیرہ کے کلام کی مثالوں کو پیش کر کے ایک معروضی طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔اپنے مشتملات کے اعتبار سے یہ مقالہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ادارہ ''تاریخِ ادب اُردو'' کو یہ مقالہ شائع کرتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے اور امید کی جا رہی ہے کہ یہ مقالہ سنجیدہ قارئین سے مناسب انداز میں داد و تحسین وصول کرنے میں کامیاب ہوگا۔

کلیدی الفاظ: تانیثیت، تانیثی تنقید، نسوانیت، مرد حاوی معاشرہ، طبقاتی تقسیم، تہذیبی تغیر، ثقافتی بو قلمونی، ادبی معاشرہ۔

(نوٹ: یہ مقالہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔پہلے حصے میں تانیثیت کے نظری مباحث اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے جبکہ دوسرا حصہ اس کے اطلاق پر مبنی ہے جس میں اُردو زبان اور شاعری کو معرضِ بحث میں لایا گیا ہے۔)

بیسویں صدی کے ربع آخر میں عالمگیریت اور سائنسی ایجادات کے نتیجے میں جو معاشرتی نظام وضع ہوا اس نے زندگی اور متعلقات زندگی کو قابل لحاظ حد تک متاثر کیا۔ادبی اور ثقافتی سطح پر اس تبدیلی کو مابعد جدیدیت سے یاد کیا جاتا ہے۔واضح رہے کہ ما

بعد جدیدیت گزشتہ ادبی اور تنقیدی رجحانات اور تحریکات کی طرح یک رخی نہیں ہے۔ بلکہ یہ اپنی سرشت میں کثیر الجہت اور متنوع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مابعد جدیدیت کو سمجھنے میں اکثر لوگوں کو دشواری کا سامنا ہے کیونکہ وہ مابعد جدیدیت کو ترقی پسند تحریک، سرسید تحریک اور حلقۂ اربابِ ذوق کی طرح سمجھنا اور سمجھانا چاہتے ہیں۔ اس ضمن میں عرض ہے کہ مابعد جدیدیت میں کوئی بھی نظریہ آخری اور اہم نہیں ہے بلکہ کوئی بھی نظریہ رد بھی ہو سکتا ہے اور اسے قبولیت بھی حاصل ہو سکتی ہے غرض مابعد جدیدت ہر طرح کی جبریت کے خلاف ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مابعد جدیدیت نے نظریات کے رد و قبول کے لیے کشادگی کا ماحول تیار کیا ہے۔ اسی کشادگی، وسعت اور تکثیری مزاج کی حامل مابعد جدیدیت میں مختلف نظریات پنپنے لگے جن میں تانیثیت بھی ایک اہم نظریہ ہے۔ دیکھا جائے تو اردو ادب میں تانیثی مباحث بھی اس دور میں منصہ شہود پر آئے جب مابعد جدیدیت کا سورج اردو کی ادبی اور ثقافتی افق پر طلوع ہوا۔ اس تناظر میں دوسرے نظریات کے ساتھ ساتھ تانیثیت اور تانیثی تنقید ادب شناسی کے ایک جاندار رویے کے بطور سامنے آئے۔

تانیثیت اپنی سرشت میں مرد حاوی معاشرے میں طبقۂ نسواں کی ذہنی بیداری اور اپنے حقوق کے بارے میں آگہی کا نام ہے۔ یوں تو معاشرتی سطح پر خواتین کا شکوہ یہ ہے کہ انہیں زندگی کے ہر محاذ پر نظر انداز کیا جاتا ہے، ان کی حصہ داری جتنی ہر سطح پر ہونی چاہیے تھی اتنی نہیں ہے۔ بلکہ بعض مقامات پر انہیں سرے سے ہی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ انہی شکایات کے ازالہ کے لیے اور اپنے داخلی وجود کو عملی سطح پر منوانے کے لیے عالمی سطح پر بھی خواتین کی کئی تحریکیں سامنے آئیں۔ جن کا پرزور اصرار اس بات پر تھا کہ خواتین کو زندگی کے ہر شعبے میں اپنا جایز حق دیا جانا چاہیے اس طرح حقوق کی حصولیابی کے لیے خواتین مفکرین نے احتجاج اور مزاحمت کے راستے پر چلنے کا ڈھول ڈالا۔ بحیثیت مجموعی تانیثیت کے علمبرداروں کا دعویٰ ہے کہ وہ عورت کو معاشی، سیاسی، ادبی اور ثقافتی سطح پر مرکز میں لانا چاہتے ہیں۔ اس تناظر میں جب ہم تانیثی تنقید کی بات کرتے ہیں تو وہ ہماری روایتی تنقید کو یہ کہہ کر مسترد کرتی ہے کہ اس (روایتی تنقید) نے زکوری نقطۂ ہائے نظر کے مطابق ادبی متون کی تشریح و توضیح کا کام انجام دیا ہے جس کی وجہ سے نسوانی آوازیں ادبی متون میں دب چکی ہیں۔ ویسے بھی خواتین اس کرۂ ارض پر نصف آبادی کے نام سے بھی معنون ہیں۔ اس لیے خواتین کے نقطۂ نظر سے ادب کو جانچنے اور پرکھنے کا رجحان جائز بھی معلوم ہوتا ہے اور مناسب بھی کیونکہ عہدِ وسطیٰ سے لے کر تا حال ادب کو یک طرفہ تنقید یعنی زکُوری نظام کا حامل تصور کیا جاتا ہے۔ مابعد جدید تھیوری کے تحت تانیثی تنقید سابقہ متون کو از سرِ نو تفہیم و

توضیح کے لیے اصرار کرتی ہے جن میں وہ اپنے جذبات واحساسات، تجربات ومشاہدات اور تصورات و تفکرات کے اظہار کو راہ دے سکیں۔ پروفیسر انور پاشا نے ذکوری نظام کے حاوی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"تانیثی مفکرین مروجہ ادب اور ادبی معیار واقدار اور اُن سے وابستہ تصورات وافکار یا زبان واسلوب کو اس لیے خارج کرتی ہیں اور انھیں تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہیں کہ اس ادب میں نہ تو ان کی شرکت ہے اور نہ ہی اس میں ان کی ویسی ترجمانی ہے، جس کی وہ حق دار ہیں۔ بلکہ ان کا الزام ہے کہ اس میں ان کی شبیہ کو مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے۔ اس لیے مرد اساس نظام کا پروردہ ادب بنیادی طور پر عورت مخالف ہے۔ لہٰذا متبادل ادب کی تخلیق اور متبادل تنقیدی پیمانے اور زاویے کی تشکیل ہی حقیقی تانیثی ادب کی تخلیق و تنقید کا واحد راستہ ہے۔ لیکن بالآخر سب سے اہم سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک ایسے انسانیت اساس نظام کی تشکیل ممکن نہیں جس کا ادب تمام صنفی تعصبات وامتیازات سے پاک ہو اور جو مرد اساس نظام کے جبر اور شدت پسندی سے آزاد ہو۔ اگر ایسا ہو سکا تو یقیناً وہ نظام اور اس کا ادب مثالی نظام اور ادب ہوگا"۔ ۱؎

اردو ادب کے ابتدائی دور میں شعوری طور پر تانیثی فکر ناپید تھی۔ ہمارے یہاں ادب میں فکری سطح پر یہ ان معنوں میں کبھی نہیں برتی گئی جس طرح مغربی ادب میں اس تحریک نے اپنے پنجے گاڑھے۔ اردو ادب کی تاریخ میں خواتین کے موضوعات، مجبوریوں اور مسائل کو موضوع بنانے والے مرد لکھاری ہی تھے۔

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد اور جدید علوم سے اردو داں طبقے کی واقفیت نے اردو میں بھی نئے علوم اور نظریات کو راہ دینے میں مدد کی۔ نتیجے کے طور پر سرسید احمد خان کے پروردہ شیخ محمد عبداللہ المعروف بہ پاپا میاں کی خواتین کے تئیں تعلیمی خدمات سے ہم اچھی طرح واقف ہیں۔ مولانا الطاف حسین حالی، ڈپٹی نذیر احمد، راشد الخیری، مرزا محمد ہادی رسوا اور سجاد حیدر یلدرم کی خواتین کے تئیں علمی اور ادبی خدمات اردو ادب میں لائقِ تحسین ہیں۔ اردو ادب میں خواتین کی فکری اور تخلیقی آزادی کا دور اٹھارویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل سے شروع ہوتا ہے۔ رسالہ "تہذیب نسواں" سے شروعات کر کے آج اس قبیل کے ادب میں وہ تمام اوصاف و خصوصیات موجود ہیں جو کسی بھی ترقی یافتہ ادب یا اعلیٰ ادب تخلیق کرنے والے مرد تخلیق کاروں کے یہاں ہوتا

ہے۔خواتین تخلیق کار عورتوں کے مسائل کے ساتھ ساتھ دیگر سماجی، سیاسی، اقتصادی، مذہبی موضوعات اور عالمی امور پر ادبِ عالیہ تخلیق کر رہی ہیں۔خواتین قلم کاروں کا یہ قافلہ کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے آج خواتین کے ادب کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔مگر تنقیدی نکتہ نگاہ سے پرکھنے کے لیے خواتین کا تحریر کردہ ادب ایک سوالیہ نشان بنا ہوا ہے۔پروفیسر انور پاشا مزید لکھتے ہیں:

> ''ادب، تاریخ، تنقید، علوم، سائنس و ٹیکنالوجی، کلچر، سیاست اور اقتصادیات ہوں یا تعلیمی نصابات اور تحقیقی و فکری ادارے؛ یہ سب ہی ہمیشہ مردوں ہی کی گرفت میں رہے ہیں..... وہ جن تخلیقات اور متون کو عالم گیر اور شاہکار بتاتے ہیں ادھوری ہیں کیونکہ اس میں خواتین کہیں نظر ہی نہیں آتی ہیں''۔۲؎

تانیثی تنقید خواتین کی تخلیقات اور ادبی معیارات کو پرکھنے کے لیے ان تمام مروجہ اصول وضوابط کو رد کرتی ہے جو ادبی دنیا میں مرد اساس معاشرے کے قائم کردہ ہیں۔تانیثی ناقدین کے مطابق ہماری اردو زبان کی جتنی بھی لغات تحریر کی گئی ہیں وہ عورتوں کے تئیں غیر جانبدار نہیں ہیں۔کسی بھی معاشرے میں جو زبان مروج ہے وہ مرد اساس اور عورت کی شبیہ کو بگاڑ کر پیش کرتی ہے۔اردو زبان کی لغات میں لفظ عورت اور متعلقاتِ عورت سے وابستہ الفاظ کے جو معنی لکھے گئے ہیں وہ سراسر ناانصافی اور مرد اساس ذہنیت کی نمائندگی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔جب بھی کسی مرد کو کم عقل نااہل یا بزدل ہونے کا طعنہ دینا ہوا سے عورت سے تشبیہ دی جاتی ہے۔علامات، محاورات اور ضرب الامثال صنفی جانبداری کے مظہر ہیں۔چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱)گھوڑا اور عورت ران تلے: دونوں جب تک قابو میں رہیں اپنے ہیں۔۳؎

(۲)بزدلی عورت کا دوسرا نام ہے۔۴؎

(۳)زنانہ لفظ صفت کے اعتبار سے ان معنوں کا حامل ہے:

نامرد، ڈھیلا، سست، زن صفت، بزدل ۵؎

(۴)عورت اور جوتے دونوں برابر۔

(۵)عورت کی ذات بے وفا ہوتی ہے۔ عورت سے وفا نہیں ہوتی۔

(۶)عورت کی عقل گدی کے پیچھے۔ عورت بے وقوف ہوتی ہے۔

(۷) عورت کی ناک نہ ہوتی تو گو کھاتی۔ عورت ناقص العقل ہوتی ہے۔۶۔

اردو کی معروف تانیثی تخلیق کار زاہدہ حنا نے عورت کے خلاف مروّج رویوں پر احتجاج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

''زبان کو دنیا بھر میں عورت کے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا۔ شاعری، ادب، گالیوں، محاوروں اور ضرب الامثال کے وسیلے سے عورت کا ناقص العقل ہونا اور اس کے عیاری و مکاری کے قصے نسل در نسل دہرائے گئے۔ یہاں تک کہ وہ صرف مردوں کے ہی نہیں بلکہ عورتوں کے ذہن میں بھی راسخ ہو گئے اور خود انہوں نے بھی اپنے آپ کو مردوں کی نسبت کم عقل، بزدل اور کم تر سمجھنا شروع کر دیا۔ اور یہ عمل ابھی جاری ہے. . . . . زبان کے زخم سے عورت آج بھی گھائل ہے''۔۷۔

سماج اور معاشرہ مردوں کے حوالے سے جانے اور سمجھے جاتے ہیں سو سائٹی بنیادی طور پر مردانہ ہے اور تمام زمانہ کیفیات کو اسی دائرے میں دیکھا جاتا ہے۔ ہر صحیح اور غلط کو مرد کی سوچ کے دائرے میں ہی جانچا اور پرکھا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں تکثیریت نہیں ہے صرف مرد کی وحدانیت ہے مابعد جدیدیت اسی تکثیریت پر ہی زور دیتی ہے۔ عورتوں کے بارے میں جتنے بھی تصورات اور مفروضات قائم کیے گئے ہیں وہ مردوں کے بنائے ہوئے ہیں خواتین کے تخلیق کیے گئے ادب کے ساتھ بھی یہی صورت حال ہے۔ ہماری ادبی تنقید مجموعی طور پر مردانہ تجربات اور محسوسات پر مشتمل ہے۔ خواتین کے احساسات اور اقدار کا اس میں کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ خواتین کا موقف یہ ہے کہ ادب میں مردانہ قدریں آفاقی اور حتمی بنادی گئی ہیں جب کہ ''عورت اساس'' قدریں دور دور تک کہیں دکھائی ہی نہیں دیتی ہیں۔ اس لیے اکثر کہا جاتا ہے کہ :

(۱)مروجہ ادب میں عورت کی پیش کش غیر متوازن اور امتیازی نوعیت کی حامل ہے؛

(۲)عورت کے ذریعہ تخلیق کردہ ادب کے تئیں مرد ناقدین اور قارئین کا رویہ متعصبانہ ہے؛

(۳)مروجہ تنقیدی زاویئے اور نظریات صنفی جانبداری(Gender Bias) پر مبنی ہیں؛

(۴)مروجہ ادبی ڈکشن، زبان واسلوب، استعارات، علامات، محاورات اور ضرب الامثال صنفی جانبداری کے مظہر ہیں۔

ضمناً یہاں بتاتی چلوں کہ بالی ووڈ کے گیتوں اور نغموں میں اکثر خواتین کے کردار کو فرسودہ اور بے ہودہ(Stereotype) یا صرف جنسی آلۂ کار بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ خواتین پر ایسے گیت نغمائے جاتے ہیں جن کی زبان بدلنے کی ضرورت ہے چند مثالیں میں یہاں پیش کرتی ہوں:

ایک مشہور گانے کے بول ہیں۔

(۱)تو چیز بڑی ہے مست مست

(۲) گرم چائے کی پیالی ہو

عورت کوئی چیز نہیں ہے وہ ایک جیتا جاگتا انسانی وجود ہے۔ افسوس ہے کہ جسم کو شئے میں بدل دیا جاتا ہے عورت کو محض ایک تجارتی آلہ سمجھا جاتا ہے اور یہ بات بھلادی جاتی ہے کہ وہ جسم کے علاوہ روح اور شعور بھی رکھتی ہے۔ واقع یہ ہے کہ:

> ''خواتین کو بنیادی طور پر مجبور اور رومانوی مزاج قرار دیا جاتا ہے اور بہت ہی کم
> حقیقت پسند، فعال یا فیصلہ کن حیثیت رکھنے والی دکھائی جاتی ہیں. . . . . خواتین کا
> حق صرف یہ کہ وہ فیشن ماڈل یا تفریحی شعبوں میں نمایاں ہوں. . . . .
> مصنوعات کی تشہیری مہم میں خواتین کو نیم عریاں کر کے شکار پھانسنے والے
> ''چارے'' کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور ان کی جنسی کشش اور جسمانی نمائش کا
> استحصال کیا جاتا ہے''۔۸۔

اردو شاعری میں معشوق یا عورت کے لیے استعمال کیے گئے سارے صفات، استعارات، تشبیہات مرد کے ذہن کے اختراع اور اس کے عورتوں کے تئیں قیاسات اور فرضی تصورات پر مبنی ہیں۔ مثلاً ظالم، سنگ دل، ہر جائی، بے وفا، بے مروت، بت، قاتل،

پتھر کے صنم وغیرہ وغیرہ۔اسی طرح وہ عورت کے جسمانی خدوخال کی تعریف اپنے جمالیاتی ذوق کے اظہار اور تسکین کے لیے کرتا ہے۔چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

(۱) پرستش کی یاں تک کہ اے بت تجھے

نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے (میر تقی میر)

(۲) تہہ شمشیر قاتل کس قدر بشاش تھا ناسخ

کہ عالم ہر دہانِ زخم پر ہے روئے خنداں کا (امام بخش ناسخ)

(۳) کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ

ہائے اُس زُودِ پشیماں کا پشیماں ہونا مرزا غالبؔ

(۴) سُنا ہے اُس کے لبوں سے گلاب جلتے ہیں

سو ہم بہار پہ الزام دھر کے دیکھتے ہیں

سُنا ہے اُس کی سیاہ چشمگی قیامت ہے

سو اُس کو سُرمہ فروش آہ بھر کے دیکھتے ہیں

سُنا ہے آئینہ تمثال ہے جبین اُس کی

جو سادہ دل ہیں اُسے بن سنور کے دیکھتے ہیں

سُنا ہے اُس کے جسم کی تراش ایسی ہے

کہ پھول اپنی قبائیں کتر کے دیکھتے ہیں احمد فرازؔ

اس کے برعکس عاشق یا مرد کے لیے جو صفات استعمال کی گئی ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں: وعدہ وفا کرنے والا، پرستش کرنے والا، عاجز و انکسار، گداز قلب، انتظار کرنے والا وغیرہ وغیرہ۔ مرد کے لیے یہ القابات حقیقی، مثبت، توصیفی اور قابلِ ستائش معلوم ہوتے ہیں۔ اُردو شاعری میں اس کی مثالیں جستہ جستہ نظر آتی ہیں۔ مثال کے طور پر ؎

(۱) جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی

حقِ بندگی ہم ادا کر چلے میر تقی میرؔ

(۲) تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا

تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں علامہ اقبالؔ

(۳) نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پُرسوز

یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے علامہ اقبال

(۴) واقف میں ہر اک خواب کی تعبیر سے ہوں

میں حُسن ہوں اور حُسن کی جاگیر سے ہوں

کہتے ہیں مجھے یوسفِ ثانی اے دوست

کنعاں سے نہیں وادیٔ کشمیر سے ہوں فرید پربتی

(۵) دیپ جس کا محلات ہی میں جلے

چند لوگوں کی خوشیوں کو لے کر جلے

وہ جو سائے میں ہر مصلحت کے پلے

ایسے دستور کو، صبحِ بے نور کو

میں نہیں مانتا، میں نہیں جانتا حبیب جالب

مرد اور عورت کے حوالے سے ہماری مردوں کی شاعری کی یہ دو متضاد تصویریں ہیں۔اس تناظر میں جب تانیثی ناقدین یا عورت کے شعور نے ہوش کے ناخن لیے تو اپنی شبیہ کو درست کرنے کے لیے میدانِ عمل میں اُتر آئیں۔پروفیسر عتیق اللہ یوں رقم طراز ہیں:

> ''تانیثی نقادوں نے پرانے بھرم توڑ دیے اور یہ بتایا کہ دراصل عورت کے تعلق سے جو تصورات ہم تک پہنچے ہیں وہ تمام مرد اساس معاشرے کا ایک یقینی نتیجہ ہیں۔ان کی تشکیل کے پسِ پشت وہ تذکیری رویہ برسرکار رہا ہے جس نے ہمیشہ ایک کو دوسرے پر فوقیت دی ہے خواہ اس فوقیت کی بنیاد کتنی ہی غیر منطقی، غیر عقلی، رسمیاتی اور مفروضاتی ہی کیوں نہ ہو۔یہی نہیں بلکہ اس نے ہمیشہ کچھ نئے جواز بھی فراہم کیے ہیں''۔۹؎

مذکورہ مباحث کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہمارے ادب میں عورت کا کردار ایک نئی تفہیم و تعبیر چاہتا ہے۔اب عورت کے تئیں حسن کے معیارات بدل چکے ہیں۔گلاب سی رنگت، سرو قد اور ہرنی جیسی چال ڈھال کی دوڑ سے عورت بہت آگے نکل چکی ہے۔ظاہری اوصاف کے ساتھ ساتھ قابلیت، ذہانت، خود اعتمادی، علم و آگاہی اور بہادری کو بھی اگر عورت کا حسن مانا جاتا تو بہت بہتر ہوتا۔اسی لیے تانیثی تنقید کے علمبرداروں کا توقف یہی ہے کہ مروجہ ادبی اور تنقیدی زاویوں کے برعکس ادب کے لیے نئے تنقیدی اصول و ضوابط اور نئی شعریات مرتب کرنے کی اشد ضرورت ہے۔میں اس صورتِ حال کی تبدیلی کے لیے علامہ اقبال کے اس شعر کو بطورِ جواز پیش کر کے اپنی بات ختم کرنا چاہتی ہوں ؎

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

حوالہ جات:

۱۔ مضمون: تانیثیت اور ادب، انور پاشا، مرتب: انور پاشا، عرشیہ پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۱۴ء، ص: ۱۲۶

۲۔ فیمنسٹ ادب کا مسئلہ از ریاض صدیقی مشمولہ تانیثیت اور ادب، مرتب: انور پاشا، عرشیہ پبلی کیشنز دہلی ۲۰۱۴، ص:

۳۔فیروزالغات،ازمولوی فیروزالدین، کتابی دنیا،دہلی،۱۹۹۷ءص: ۹۰۶

,Hamlet, Shakespare, Act-1, Scene-II.4

۵۔فرہنگ آصفیہ ،ترقی اُردو بورڈ،دہلی، جلد دوم،ص: ۴۱۳

۶۔نوراللغات،انجمنِ ترقی اُردو ہند،دہلی،۱۹۵۷ء،ص: ۵۲۹

۷۔زبان زخم، مشمولہ: عورت زندگی کا زنداں،اززاہدہ حنا، تخلیق کار پبلیشرز،دہلی،۲۰۰۶،ص: ۲۶۳

۸۔ایضاً،ص: ۱۳۲

۹۔تانیثیت تنقیدی تھیوری ازپروفیسر عتیق اللہ، مشمولہ بیسویں صدی میں خواتین اردو ادب، مرتب پروفیسر عتیق اللہ، طبع دوم،ساہتیہ اکادمی،دہلی،۲۰۱۸،ص: ۹۶

☆☆☆